خواجہ حسن نظامی اور ڈاکٹر غلام یزدانی

معین الدین عقیل *

ڈاکٹر غلام یزدانی (۱۸۸۵ء۔۱۹۶۲ء) اپنے زمانے کے معروف وممتاز ماہر آثار قدیمہ تھے۔ان کا فارسی،عربی اور اردو ادبیات کا ذوق بھی مثالی تھا۔تاریخ اور آثار قدیمہ ان کا اختصاصی مضمون تھا،جس میں ان کی متعدد انگریزی تصانیف،اوراہم تاریخی متون میں سے ''شاہجہاں نامہ'' اور ''مثنوی مولانا روم'' کی ترتیب وتدوین ان کی اہم یادگاریں ہیں۔مملکت آصفیہ حیدرآباد میں محکمہ آثار قدیمہ سے منسلک رہ کر محکمے کے لیے عربی وفارسی کتبات پر جو تحقیقی کام انھوں نے کیے وہ مقالات کی صورت میں شائع ہوکر اہل علم کی ستائش کا سبب بنے اور اس کام کی بنیاد پر ہندوستان گیر اور عالمی شہرت و توقیر پائی[۱]۔

دہلی کے ایک معزز گھرانے میں ۱۸۸۵ء میں پیدا ہوئے۔دہلی کے سینٹ اسٹیفن کالج سے بی اے اور کلکتہ سے ایم اے کیا اور دہلی،کلکتہ اور لاہور کے مختلف کالجوں میں فارسی اور عربی کے استاد کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔۱۹۰۵ء میں حکومت ہند کے محکمہ آثار قدیمہ سے منسلک ہوکر ایسی خدمات انجام دیں کہ جب مملکت آصفیہ میں محکمہ آثار قدیمہ قائم کیا جانے لگا تو کسی مناسب ماہر کی تلاش ہوئی تو اس محکمے کے انگریز ماہر آثار قدیمہ جارج مارشل (George Marshall) نے غلام یزدانی کی سفارش کی جس کے نتیجے میں غلام یزدانی مملکت حیدرآباد کے محکمہ آثار قدیمہ سے اپریل ۱۹۱۴ء میں منسلک ہوگئے اور چالیس سال تک اس کے سربراہ کی حیثیت سے خدمات انجام دیں۔ان کی مثالی خدمات کے صلے میں حکومت ہند نے ۱۹۲۵ء میں انھیں او۔بی۔ای۔(O.B.E.) کا اعزاز عطا کیا اور جامعہ عثمانیہ نے ۱۹۴۵ء میں اور مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے ۱۹۵۶ء میں ڈی۔لٹ کی اعزازی ڈگریاں تفویض کیں اور ۱۹۵۶ء میں حکومت ہند نے 'پدم بھوشن' کا خطاب عطا کیا۔اگرچہ وہ مملکت آصفیہ کے محکمہ آثار قدیمہ سے منسلک تھے لیکن کتبات پڑھنے میں جو مہارت انھیں حاصل ہوگئی تھی اس کی بنا پر سارے ہندوستان میں ضرورتاً اس خدمت کے لیے سرکاری طور پر ان سے رجوع کیا جاتا تھا۔اگرچہ ان کے کارنامے اور ان کی محققانہ تصانیف ومقالات بہت بڑی تعداد میں ہیں لیکن قدیم تاریخی آثار میں سے غار ہائے ایلورا،ایجنٹا،بیدر اور بیجاپور کے تاریخی آثار،متعدد قلعوں اور مندروں اور ماقبل تاریخ قبرستانوں کی دریافت اور ان سب

* سابق پروفیسر وصدر شعبۂ اردو،جامعہ کراچی،مقیم کراچی

پر ان کی مرتبہ تحقیقی کتابوں کی وجہ سے وہ ایک غیر فانی شہرت و امتیاز رکھتے ہیں۔اسی مہارت اور شہرت کے سبب انھیں متعدد اسلامی ممالک اور یورپ کے آثار قدیمہ کے معائنے اور جائزے کے مواقع بھی ملتے رہے اور اسی بنا پر ان کی شہرت عالم گیر بھی رہی۔'رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن' اور عالمی سطح کے اس جیسے کئی علمی و تحقیقی اداروں کے وہ اعزازی رکن بھی نامزد کیے گئے۔ ۱۳ر نومبر ۱۹۶۲ء کو حیدرآباد میں انتقال کیا۔

فنی اور تاریخی نوعیت کی انگریزی کتابوں کے علاوہ اردو میں یادگار فرحت ان کی ایسی کتاب ہے جس میں اردو کے صاحب طرز انشا پرداز اور حیدرآباد میں ان کے معاصر فرحت اللہ بیگ سے ان کی عقیدت و محبت اور روابط کا اندازہ ہوتا ہے [۲]۔اردو ہی میں ان کی دوسری تصنیف: دکھنی آرٹ پر دو مقالے تھی [۳]-ان کے علاوہ معاصرین پر ان کا ایک مقالہ: چند مشاہیر [۴] بھی بہت دل چسپ اور معلوماتی ہے جس سے مشاہیر علم و ادب سے ان کے روابط اور تعلقات کا علم ہوتا ہے۔اسی زمرے میں ان کا ایک مضمون خواجہ حسن نظامی پر بھی ہے، جو شاید اب تک غیر مطبوعہ رہا ہے۔غالباً یہ مضمون کسی کی فرمائش پر لکھا گیا تھا جس کے لیے عنوان خواجہ حسن نظامی، میری نظر میں انھیں دیا گیا تھا، لیکن غلام یزدانی نے عنوان سے الفاظ: 'میری نظر میں' حذف کر کے یہ نوٹ لکھا تھا کہ:

> مضمون کے عنوان میں سے یہ الفاظ میں نے خارج کر دیے ہیں 'میری نظر میں'، کیوں کہ ان میں 'انانیت' کا جذبہ پایا جاتا ہے اور میں کم از کم یہ لکھنا گستاخی ہی سمجھتا ہوں۔اس سے قبل کہ غلام یزدانی کا وہ مضمون ملاحظے میں آئے، یہ مناسب ہے کہ خود خواجہ حسن نظامی ڈاکٹر غلام یزدانی کو کس طرح جانتے اور ان کے بارے میں کیا رائے رکھتے تھے، یہ بھی دیکھ لیا جائے۔

خواجہ حسن نظامی نے بہ کثرت کتابیں اور کتابچے لکھے اور کئی رسائل شائع کیے۔بہت مختصر شذرات بھی لکھے اور شخصی خاکے بھی اپنے رسائل میں بہ کثرت تحریر کیے۔ان کے شخصی خاکوں کا ایک مجموعہ خواجہ حسن نظامی، خاکے اور خاکہ نگاری ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری نے مرتب کیا ہے [۵] جس میں ایک بڑی تعداد میں وہ شخصی خاکے ہیں جنھیں خواجہ صاحب نے اپنے رسائل میں شائع کیا۔لیکن ایسے شخصی خاکے صرف یہی نہیں جو مستقل طور پر انھوں نے تحریر کیے تھے، بلکہ ایسے متعدد شخصی خاکے مزید تلاش کیے جا سکتے ہیں جو ضمنی اور سرسری طور پر انھوں نے لکھے اور وہ کسی اور نوع کی تحریر میں بین السطور شامل ہیں، جنھیں الگ کرنا اور ان کا ایک مجموعہ مرتب و شائع کرنا ایک اور کام ہے، جسے ہونا ضرور چاہیے۔ان خاکوں اور مذکورہ مجموعے سے قطع نظر خواجہ حسن نظامی کے خاکوں کا ایک اور مجموعہ مادر ہم درد بھی تھا [۶]، جو ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہاں پوری کی دسترس میں شاید نہ آیا کیوں کہ مادر ہم درد کے خاکے ان کے مرتبہ مجموعے میں شامل نہیں ہیں۔اس مجموعے میں غلام یزدانی پر بھی ایک مختصر خاکہ شامل ہے، جسے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

مولوی غلام یزدانی

دہلی کے رہنے والے ہیں۔ زندگی کا بڑا حصہ حیدرآباد میں گزارا ہے جہاں وہ آثار قدیمہ کے ناظم تھے، اب پینشن ہوگئی ہے۔ میری ان سے قرابت بھی ہے۔ قدیم اور جدید علوم کے فاضل ہیں۔ آثار قدیمہ کے افسر ہونے کے سبب ہندو تاریخ اور ہندو آثار قدیم سے اتنے زیادہ واقف ہیں کہ حیدرآباد میں اور کوئی نہ ہوگا، کیوں کہ ہندوؤں کے آثار قدیم حیدرآبادی ملک میں بہت زیادہ ہیں۔ ان کی انگریزی اور اردو تصنیفات آثار قدیم کی بہت قابل دید ہیں۔

خواجہ حسن نظامی پر ڈاکٹر غلام یزدانی کے نادر و غیر مطبوعہ مضمون کو ایک ادبی و تاریخی دستاویز کی حیثیت میں خواجہ حسن نظامی کے عقیدت مندوں اور اہلِ ذوق کی خدمت میں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

خواجہ حسن نظامی

خواجہ صاحب کو جب سے میں نے ہوش سنبھالا، جانتا ہوں۔ میرے والد مرحوم کو حضرت نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ تو ہر چہار شنبہ کو درگاہ شریف میں حاضر ہوتے تھے، لیکن گھر کی بیبیوں اور بچوں کا بھی مہینے میں ایک پھیرا ضرور ہوجاتا تھا۔ بچوں کی نگاہ بڑی تیز ہوتی ہے، اس لیے درگاہ کے سب چھوٹے اور بڑے میری نگاہ میں تھے۔ اور ان کی خاطر مدارات سے ایک قسم کی شناسائی بھی ہوگئی تھی۔ خواجہ صاحب بھی ان شناساؤں میں شامل تھے۔

لیکن یہ میرے بچپن کا زمانہ تھا۔ میں اس وقت نہ علمی قابلیت کو سمجھ سکتا تھا نہ روحانی استعداد کو۔ سیاسی شعور کا تو ذکر ہی کیا۔ وہ اس وقت تک شاید خواجہ صاحب میں بھی پیدا نہ ہوا ہو۔ یہ میں ترپن چون برس پہلے کا ذکر کر رہا ہوں۔ جب میری عمر سترہ اٹھارہ سال کی ہوگی۔ اور کالج میں پہنچا تو خواجہ صاحب مجھے دلی میں ادھر ادھر نظر آنے لگے۔ اور ان کے مضامین بھی ایک ہندو ادبی رسالے میں، جس کا معیار خاصا بلند تھا، میں نے پڑھے۔ ان کی تحریروں کا اچھوتا پن اور جاذبیت اسی وقت سے موجود ہے۔ الفاظ سیدھے سادے لیکن طرز بیان انوکھا اور نرالا۔ مذہبی رنگ بھی تحریر میں جھلکتا تھا۔ لیکن مشرب وسیع دارا شکوہ کے عقائد سے ملتا جلتا، یعنی کرشن جی کو انبیا اور اولیا کے مساوی سمجھتے تھے۔ جس پر کٹر مولویوں اور تنگ نظر مشائخین نے خواجہ صاحب کو اس وقت سے برا بھلا کہنا شروع کر دیا۔ اور یہ خیال بھی نہ گزرا کہ 'ہمہ جو' طبیعت کو 'تلاشِ حق' میں کتنی بے گانہ راہوں سے گزرنا پڑتا ہے تب کہیں 'مسرت' نصیب ہوتی ہے۔

خواجہ صاحب کو خدا تعالیٰ نے دو ذہنی صفتیں بدرجۂ اتم وعطا فرمائی ہیں جن کی وجہ سے دشمن ان کا بال بیکا نہ کر سکے اور وہ سخت سے سخت آزمائش اور مقابلے میں کامیاب نکلے۔ ان صفتوں میں سے پہلی 'لچک' ہے۔ معاندین ان پر جا و بے جا

حملہ کرتے رہے ہیں اور اب بھی نہیں چوکتے۔ لیکن خواجہ صاحب اپنی 'ذہنی لچک' کی وجہ سے ان کی مطلق پروا نہیں کرتے اور آخر وہ تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ مولانا محمد علی مرحوم کو گھمنڈ تھا کہ وہ اپنی تحریر سے خواجہ صاحب کو دبا لیں گے مگر خواجہ صاحب کی 'لچک' فولادی تلوار کی لچک نہیں، جتنا اس تلوار کو دبایا گیا اتنے ہی زور سے پلٹ کر وار کیا گیا۔ جس کسی کو ہجو کے مطالعے کا ذوق ہو وہ مولانا محمد علی اور خواجہ صاحب کے پوسٹر اور جوابی مضمون ضرور پڑھے۔ خواجہ صاحب کی ہجو بے شک تلوار کی کاٹ کا اثر رکھتی ہے۔ لیکن وہ اس حربے کو صرف ایسے دشمنوں کے مقابل استعمال کرتے ہیں جو ان کی عزت اور وقار کے درپے ہوں ورنہ ان کی روش صلح کل کی ہے۔

خواجہ صاحب کی دوسری ذہنی صفت 'لوچ' ہے جو ہر کس و ناکس کو ان کا گرویدہ بنا دیتی ہے۔ یہ 'لوچ' گفتار میں بھی ہے اور کردار میں بھی اور تحریر میں بھی۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں جب میں حیدرآباد پہنچا تو سر اکبر حیدری کو خواجہ صاحب کا عقیدت مند پایا۔ یہ ان ہی کے مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ سیاست ایک گندی چیز ہے۔ مکاری، خودغرضی، اور دروغ بیانی اس کے لازمی جزو ہیں۔ جب تک سر اکبر مرحوم پر مذہبی رنگ غالب رہا ان کی خواجہ صاحب سے ارادت مندانہ دوستی رہی لیکن سیاسی رنگ چڑھتے ہی اَن بن ہوگئی۔ اور آخر میں تو خاصی کشیدگی ہوگئی تھی۔ زیادہ تر مہاراجہ کشن پرشاد مرحوم کی پرخلوص دوستی اور محبت کی وجہ سے بھی یہ نااتفاقی اور بڑھی۔ کیوں کہ سر اکبر خواجہ صاحب اور مہاراج آں جہانی کی گہری راہ و رسم کو اپنی ترقی کی راہ میں حائل سمجھتے تھے۔

ہاں میں 'لوچ' کا ذکر کر رہا تھا۔ اس کے اس سے اعلیٰ حکام تو کیا بڑے بڑے رئیس اور حکمراں بھی خواجہ صاحب کے پرستار بن گئے۔ ان پرستاروں میں اہلِ مغرب بھی داخل ہیں اور اہلِ مشرق بھی۔ یہ ضرور ہے کہ اس عالم گیر تسخیرِ قلوب میں خواجہ صاحب کا علم و فضل، خاندانی بزرگی، اور غیر معمولی عقل اور ہوشیاری بھی داخل ہیں۔ وہ بات چیت، ادب و قاعدہ اور عمل اور فعل میں ایسے مکمل اخلاق کے حامل ہیں کہ خواہ مخواہ دل میں ان کی محبت اور احترام پیدا ہو جاتا ہے۔

بعض بے دین حکمائے مذہبی اعتقاد اور میلان کو اخلاقی کمزوری تصور کیا ہے۔ بعض نے 'جنون' سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن فلسفیانہ بحث میں پڑنے کے بجائے اگر ہم دنیا کی تاریخ کا ذرا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ انسان کی اخلاقی، ذہنی اور اقتصادی ترقی میں 'مذہب' اور 'پیروانِ مذہب' نے کیا نمایاں کام کیا ہے۔ میں نے روحانی ترقی کو اس لیے شامل نہیں کیا تاکہ ان لوگوں کو جو 'روحانیت' کے قائل نہیں تاریخی شہادت کے قبول کرنے میں پس و پیش نہ ہو۔ اگر نفسیاتی نقطۂ نظر سے یہی مذہب کی ضرورت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو انسانی فطرت میں 'خوف' کا احساس اور 'امید' کا میلان لازمی طور سے ملتا ہے۔ اور یہی 'خوف' و 'رجا' ہے جس کو مذہب نے عذاب و ثواب کے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اور جس کی مستحکم بنیادوں پر مذہبی قانون قائم ہے۔ یہ بحث یہاں اس لیے چھیڑی گئی کہ جو لوگ مذہب

کو محض 'ڈھکوسلا' اور پیروانِ مذہب کو کم عقل سمجھتے ہیں جان لیں کہ مذہب کی ضرورت ختم نہیں ہوگی بلکہ انسان کی بقا، جب تک دنیا میں ہے مذہب ہمیشہ اخلاقی، معاشی اور سماجی خرابیوں کو دور کرتا رہے گا۔ اور انسان کو بلند سے بلند مقامات تک پہنچنے میں مدد دے گا۔

خواجہ صاحب کی ذاتِ گرامی کو جو مقبولیت ہندوستان کے ہر حصے میں حاصل ہے اور ان کے مریدین کی جو کثیر تعداد ہے، وہ نہ کسی قسم کا دھوکا ہے اور نہ عوام کا جہل اور نادانی۔ مذہب کی تلقین کرنے والوں پر ہمیشہ طرح طرح کے اتہام لگائے گئے۔ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ اس قسم کی تہمتوں کو حضرت نبی کریم صلعم کے دامن سے پاک کرنے کے لیے فرماتا ہے:

ما ضل صاحبکا الالمقویٰ، وماینطق من الھدیٰ (سورۃ النجم۔ آیات ۲۔ ۳)

ان آیات کو سمجھنے کے بعد خواجہ صاحب کے معترضین کا منہ شاید بند ہو جائے لیکن حسد بری بلا ہے۔ فضلِ الٰہی کو دیکھ کر وہ جلے مرتے ہیں: ام معہدونالناس علیما آتاھم اللّٰہ من فضلہ۔ (سورۃ انساء۔ آیت ۵۷)

اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے اور اس مرض کو کھوئے۔

خواجہ صاحب پر ان کے دشمن تجارتی کاروبار کی وجہ سے بھی معترض ہیں۔ حالاں کہ تجارت کوئی غیر محمود چیز نہیں۔ انبیا، بزرگانِ دین، اور اہل اللہ، تجارت پیشہ حلقے میں نظر آتے ہیں۔ علم، تقویٰ، روحانیت، جو ذاتی فضائل ہیں، ان کو اگر پیشہ بنایا جائے تو برا ہے۔ لیکن دواؤں کی تجارت یا کتابوں کی تجارت کسبِ معاش کے لیے کی جائے تو وہ ہرگز معیوب نہیں۔ کسی فرد یا قوم کی اقتصادی خوش حالی قابلِ مبارک باد ہے، نہ مور دِ ملامت۔

آج سے تیس برس پہلے دلی سے ایک اخبار راعی اور رعیت کے عنوان سے شائع ہوتا تھا۔ اس اخبار کی نمایاں خصوصیت یہ نہیں کہ خواجہ صاحب اس میں دلی کے مشاہیر کے ظاہری اور باطنی خدوخال کے مرقعے مزاحیہ رنگ میں پیش کرتے تھے، جو نہایت شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ اور اُن دنوں میں دلی میں ان مرقعوں کا بڑا چرچا تھا۔ میں حیدرآباد سے دلی گیا ہوا تھا۔ حکیم اجمل خاں مرحوم کا مرقع میری نظر سے گزرا۔ دل میں آیا کہ خواجہ صاحب کا مرقع میں کھینچوں، چناں چہ کھینچا اور چھپنے کے لیے خواجہ صاحب کے پاس بھجوایا۔ لیکن میں نے اپنا نام راز میں رکھا۔ یہ دوسرے روز چھپ گیا۔ اس کی کاپی عرصے تک میرے پاس رہی۔ لیکن اب جاتی رہی۔ اگر خواجہ صاحب کے کسی پرانے فائل میں موجود ہو تو ان سے مستعار لے کر مناسب اقتباسات ضمیمے کے ساتھ شائع کیے جاسکتے ہیں۔ اس مرقعے میں خواجہ صاحب کے حلیے، لباس اور کردار کے علاوہ ان کے ادبی کارناموں اور سیاسی قابلیت کا بھی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

سن ۱۹۴۵ء میں ایک اور مضمون میں نے دلی کے اہلِ قلم کے متعلق لکھا تھا[۸]۔ جس میں خواجہ صاحب کا بھی مختصر طور سے ذکر ہے، وہ ملاحظہ فرمائیے:

خواجہ صاحب مجھ کو میری طالب علمی کے زمانے سے جانتے ہیں۔ اور ہمارے خاندان کے افراد سے بھی گہری راہ و

رسم ہے ۹- میں بھی خواجہ صاحب کی علمی اور ادبی قابلیت کا ہمیشہ مداح رہا ہوں۔ اردو زبان اور ادب کی ترقی میں ان کا نام ہمیشہ یادگار رہے گا۔ اپنے طرز کے آپ موجد ہیں۔ زبان سادہ لیکن شگفتہ۔ بیان میں روانی اور تعقید سے پاک۔ مضمون کے لحاظ سے اچھوتا پن اور اس میں مذہبیت اور روحانیت کا اثر۔ نرالے رمز اور کنایے۔ لاتعداد کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔ جن سے انہماک اور حقیقی علمی شغف عیاں ہے۔ مجھے کتابوں سے زیادہ اخبار منادی میں ان کا روزنامچہ پسند ہے۔ جس کو میں ہمیشہ شوق سے پڑھتا ہوں۔ اس میں یہ اپنے خیالات نہایت لطیف پیرایے میں بیان کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو ادب کے اس شعبے میں ان کا رتبہ وہی ہے جو انگریزی ادب میں اس زبان کے بعض مشہور ڈائری نویسوں کا۔ اردو ادب سے خواجہ صاحب کو حقیقی محبت ہے۔ اس عمر میں بھی، جب کہ ان کا سن ستر سال کے قریب ہے، دلی میں شاید ہی کوئی شعر وسخن کی محفل ہوتی ہو جس میں خواجہ صاحب شرکت نہ فرماتے ہوں۔ اردو زبان کی ترقی کے لیے دلی سے باہر بھی دور دراز سفر کرتے ہیں۔ چناں چہ حیدرآباد تک تشریف لاتے ہیں۔ باوجود اپنی دیگر مصروفیتوں کے کاتب ہمیشہ سامنے بیٹھا رہتا ہے اور اصلاح اور تصحیح کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

یہ تنقید اجمالی ہے۔ اور تفصیل سے خواجہ صاحب کی تصنیف پر تنقید کرنے کا میں اہل نہیں۔ چوں کہ وہ مختلف فنون اور علوم پر ہیں۔ مذہب، تاریخ، سیاست، سیرت، اقتصادیات، علم تعلیم، کون سا موضوع ہے جس پر خواجہ صاحب نے قلم نہیں اٹھایا۔ فرعونی تاریخ کو لیجیے تو اس پر تو وہی رائے دے سکتا ہے جس کو مصر کے تمدن اور تہذیب سے پوری واقفیت ہو۔ معمولی تالیفات پر بھی رائے دینی مشکل ہے۔ مثلاً خواجہ صاحب کا مؤلفہ آسان قاعدہ علم تعلیم کے ماہر ہی بچوں کی نفسیات اور اس قاعدے کی موزونیت کو سمجھ سکتے ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں خواجہ صاحب کی ذہانت اور طبیعت کی لطافت ان کی ہر کتاب اور ہر تالیف سے عیاں ہے۔ حلال خور کو ملاحظہ فرمایئے اور پھر اس فرقے کی تلقین اور کلمے کو۔ تحریر فرماتے ہیں:

مٹی کا مٹھ، مٹی کا گھٹ، مٹی کا گھوڑا، مٹی کا جوڑا، مٹی کو نجی، مٹی کا تالا، لاڈ کنجی، کھولو کواڑ، دیکھو دادا پیر کا دیدار۔

اس فلسفے میں کبیر کی تعلیم کی جھلک نظر آتی ہے۔ مگر یہ ظرافت اور انوکھا پن خواجہ صاحب کا ہی خاص حصہ ہے۔ حزنیہ رنگ میں بیگمات کے آنسو دل دہلانے والی داستانیں ہیں۔ اور بہادر شاہ کا روزنامچہ اور ریزیڈنٹ کا روزنامچہ۔ ایسے تاریخی مؤلفات ہیں جن سے محققین ہمیشہ استفادہ کرتے رہیں گے۔

خواجہ صاحب کی عظمت اور عروج کے اسباب تلاش کرنے میں ان کے غیر معمولی حافظے اور مستعدی کو بھی بھولنا نہیں چاہیے۔ پچاس برس کا واقعہ ان سے من وعن سن لیجیے۔ اور مستعدی اس بلا کی ہے کہ ستر برس کی عمر میں بھی یہ سرگشت کا گڈا بنے پھرتے ہیں۔ اور سفر اور حضر دونوں میں صبح سے شام تک انھیں مطلق قرار نہیں۔ خواجہ صاحب کی سیاست کو سمجھنا میری فہم سے بالا ہے۔ البتہ اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ نشر واشاعت (پروپیگنڈا) کے یہ بادشاہ ہیں۔ اور امریکا میں ہوتے تو کروڑ

پتی ہوتے۔اب بھی لکھ پتی ہوں تو تعجب نہیں۔مصرعہ:

فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ

غلام یزدانی

باغ تاریخ، خیرت آباد

حیدرآباد دکن

۱۰؍فروری ۱۹۴۷ء

حواشی:

۱۔ تفصیلات اور حالات و امتیازات کے لیے، متعدد معاصر مآخذ کے علاوہ: زینت ساجدہ، حیدرآباد کے ادیب، انتخاب نثر، آندھرا پردیش ساہتیہ اکیڈمی، حیدرآباد، ۱۹۵۸ء، ص ۳۴۵؛ سید داؤد اشرف، بیرونی اربابِ کمال اور حیدرآباد، شگوفہ پبلی کیشنز، حیدرآباد، ۲۰۰۵ء، ص ص ۱۴۳۔۱۴۴؛ شفقت رضوی، فیضانِ دکن: سلاطین آصفیہ کی علمی و ادبی سرپرستی، بہادر یار جنگ اکیڈمی، کراچی، ۱۹۹۴ء، ص ص ۸۳۔۹۱

۲۔ یہ کتاب حیدرآباد سے ۱۹۵۱ء میں شائع ہوئی۔

۳۔ الہ آباد سے ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔

۴۔ مطبوعہ، آج کل، دہلی، اگست ۱۹۴۷ء

۵۔ مطبوعہ: پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۰۷ء

۶۔ مطبوعہ: کارکن امیر خسرو لائبریری دہلی نے ۱۹۴۹ء میں شائع کیا تھا۔

۷۔ مادر ہم درد، ایضاً، ۱۱۴

۸۔ یہ مضمون منادی، ساقی، دونوں میں شائع ہوا۔غ۔ی۔

۹۔ میری دادی صاحبہ مرحومہ کی مولوی سید نصیر الدین غفر اللہ لہ سے قرابت تھی۔خواجہ صاحب کی بھی مولوی سید نصیر الدین مرحوم سے رشتے داری ہے۔اس طرح سے خواجہ صاحب سے دور دراز کی عزیز داری بھی نکل آئی ہے۔غ۔ی۔

Abstract

This article presents a text, titled KhwajaHasanNizami by Dr Ghulam Yazdani. The text remained unedited in any collection focusing the genre of sketch writing particularly sketches written by a renowned writer Khwaja Hasan Nizami. Dr Salman Shahjahanpuri edited some sketches of Khwaja Hasan Nizam but does not include the text being produced. The writer of this sketch Dr Ghulam Yazdani himself a known name among his contemporaries and was awarded OBE in recognition of his scholarship. He was a man of many talents. He authored books in Urdu and English. He edited many rare texts of classical nature in Urdu language. The editing of classical texts Shahjahan Nama and Mathnavi Maulana Rom are remembrance of his toil. His works on archeology were well received by the experts of the field. His research on gravestone written in Arabic and Persian language is remarkable to some extent. The text being produced here has many things new about Khwaja Hasan Nizam to share.

Keyword: A rare sketch, gravestone written in Arabic and Persian languages, archeology, editing of classical Urdu texts